آخری قسط

از ڈاکٹر حافظ عبدالغفور صاحب ۔ اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ دینیات اسلامیہ کالج ۔ پشاور یونیورسٹی

# حضرت اخوند رویزہ
کا
# علمی و روحانی مقام

پختون خواہ کی تاریخ میں مذہبی اور علمی اعتبار سے حضرت اخوند رویزہ (المتوفی ۱۰۴۸ھ) خوشحال خان خٹک (المتوفی ۱۱۰۱ھ) اور حضرت میاں محمد عمر چمکنی (المتوفی ۱۱۹۰ھ) کو زیادہ عزت اور شہرت حاصل ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے نقطہ نظر اور دائرہ کا اندر نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت اخوند رویزہ اپنے زمانے کے جید عالم دین تھے۔ آپ کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ اور بچپن ہی سے آپ میں علم دین کے حصول کا شوق تھا۔ آپ نے قرآن پاک ایک سال میں مکمل حفظ کیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علم دین کی چند اہم کتابیں بھی پڑھتے رہے۔[1]

آپ کا علمی مقام آپ کی تصانیف سے بالکل واضح اور صاف ظاہر ہوتا ہے۔ اور یقینی طور سے کہا جاتا ہے کہ آپ نے علم دین کو سیکھا تھا۔ آپ کو علم فقہ اور حدیث کی عبارات تک زبانی یاد تھیں۔ "شرح عقائد" علم کلام کی ایک مشکل ترین کتاب ہے۔ آپ کو اس پر کافی عبور حاصل تھا۔ سید تقویم الحق کاکاخیل نے لکھا ہے حضرت اخوند رویزہ ہمیشہ اپنے پیر و مرشد سید علی ترمذی کے ساتھ مباحثوں کے دوران پھرتے۔ جہاں بھی بحث میں آتی مسئلہ حضرت اخوند رویزہ بیان فرماتے۔ اور کتاب سے سیاق و سباق کا حوالہ دیتے۔ اور نام حضرت سید علی ترمذی کا ہوتا۔[2]

آپ نے اپنے مخالف بایزید انصاری کے علاوہ دیگر لوگوں سے بھی بحث و مباحثے کئے۔ اور ان میں کامیابیاں حاصل کیں۔ ان تمام حالات کو آپ نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف تذکرۃ الابرار والاشرار میں پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[3]

---

۱ تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ ۱۲ ۔ ۲ دین سننے مقالہ اولیائے کرام صفحہ ۱۷۷ از تقویم الحق کاکاخیل ۔ ۳ تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ ۱۶۸، ۱۷۰

آپ کے اساتذہ نے صرف آپ کو علم دین نہیں سکھایا بلکہ دین الٰہی کی محبت سے بھی آپ کو سرشار رکھا اور آپ کے دل میں ہر چھوٹے بڑے مسئلے کی اتنی محبت اور وقعت تھی کہ آپ نے ہمیشہ ان کو یاد رکھا اور لوگوں تک بغیر کسی خوف و ڈر کے پہنچایا۔ آپ علم کے ساتھ ساتھ عالم باعمل بھی تھے۔ یہاں تک کہ جو مسئلہ یا جو بات آپ اپنے کسی بزرگ میں از روئے شرع خلاف دیکھتے تو آپ اس کو بھی تبلیغ کرتے اور خود بھی عمل پیرا رہتے۔[1]

حضرت اخوند درویزہ صاحبِ قلم اور صاحبِ علم انسان تھے۔ ان کا مرتبہ مصلح اور مجدد سے کم نہ تھا۔ آپ کے سامنے اسلام کے بنیادی عقائد کے متعلق جو بات بھی غلط سامنے آتی اپنا دینی اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے اس کے خلاف قلم و لسان سے کام لیتے۔[2]

آپ کی سب سے بڑی جدوجہد یہ تھی کہ افغانوں سے جہالت دور ہو۔ ان میں علم کی روشنی عام ہو۔ کیونکہ تمام خوبیوں کا سرچشمہ علم ہے اور بغیر علم کے مادی اور روحانی ترقیوں کے دروازے انسان پر نہیں کھل سکتے جو لوگ علم کو حجاب اکبر کہتے ہیں۔ وہ ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ قول صحیح ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ سے یہ دعا نہ فرماتے :۔

" ربِّ زدنی علما "[3] اے اللہ میرے علم کو بڑھا۔

چنانچہ آپ نے اس علم کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے اور گمراہی و الحاد کو دیکھتے ہوئے اسلامی علوم کے پھیلانے کا فیصلہ کیا اور شب و روز اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ کیونکہ آپ جب بھی ایک افغان کو سمجھاتے تو بیچ دوسرا کوئی اس کو گمراہی کے لئے پہنچ جاتا۔

**تبلیغی خدمات** اسی طرح تبلیغی نقطہ نظر سے صوبہ سرحد کے صوفیائے کرام میں حضرت اخوند درویزہ کا وہی مقام ہے۔ جو برصغیر پاک و ہند میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (المتوفی ۶۳۳ھ) اور سید ابو علی ہجویری (متوفی ۴۵۶ھ) کا ہے حضرت اخوند درویزہ نے اپنے طور پر اور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے دشمنانِ اسلام کے خلاف بہت مقابلہ کیا اور کامیابیاں حاصل کیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ آپ نے شدتِ دینی کی وجہ سے ان لوگوں کے خلاف کافی لعن طعن کی۔ جو ان سے ذرا بھی اختلاف رکھتے تھے۔ مگر ان کی بشری کمزوری تھی۔ تاہم آپ کی خلوصِ نیت پر کوئی حرف نہیں لایا جا سکتا۔ آپ نے افغانوں سے بدعات دور کرنے، علم کو عام کرنے اور طریقت کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور روحانی مطلق الن

---

[1] دبستان مقالہ اولیائے کرام ص ۷۳، ۷۵ [2] رود کوثر ص ۲۶۸-۲۶۹ [3] تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۲۴۹

کو دور کرنے میں آپ کی زبان او رقلم کا بڑا حصہ ہے۔

حضرت اخوند رویزہ نے اپنے طور پر اور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے دشمنان اسلام کے خلاف بہت مقابلہ لیا۔ تو آپ کی علمی صلاحیت اور تبلیغی جذبہ محبت کی وجہ سے حضرت پیر بابا نے آپ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم دیا۔ آپ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس سلسلے میں ایک طویل سفر اختیار کیا۔

" پس بنا بہ امر شیخ از وطن و مکان خویش پیوند بریدم و اطراف عالم او نہادم "[1]

ترجمہ۔ پس اپنے شیخ حضرت پیر بابا کے حکم سے مختلف ممالک اور اطراف کی روانہ ہوا۔

چنانچہ آپ نے تبلیغ اسلام اور اشاعتِ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مناہی بدعات و رسومات میں۔ اور اسی اثنا میں آپ علماء و صلحاء سے بھی استفادہ کرتے گئے۔ اور تبلیغ کرتے کرتے آپ " قاشقار " پہنچے۔[2] اس تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں آپ کے پیر و مرشد کا بھی کافی ہاتھ تھا۔ بعض مقامات پر تو آپ کے پیر و مرشد بھی آپ کے ہمراہ جاکر لوگوں کی ظاہری و باطنی اصلاح فرماتے۔

حضرت اخوند رویزہ فرماتے ہیں:۔

" اگر دوران حضرت شیخنا ظہور نمودے۔ معلوم نیست کہ فردے از افراد این مردم مسلمان ماندے "[2]

ترجمہ اگر اس جگہ ہمارے شیخ (پیر بابا) نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ ان افراد میں سے کوئی بھی مسلمان ہوتا۔

آپ نے ان تمام جماعتوں۔ بے پیر پیروں، بے عمل علماء اور بدعتی مشائخ کے خلاف قدم اٹھایا۔ اور ان کو تبلیغ کرتے رہے۔ اور جو کوئی آپ کی تبلیغ سے باز نہ آتا تو آپ ان منکرین کے خلاف جہاد بالقلم اور جہاد باللسان آخر دم تک جاری رکھتے۔ آپ نے ان گمراہیوں اور کوتاہیوں کا ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ سب کچھ صوفیائے خام اور طریقت کی غلط ترجمانی کی وجہ بھی ہے[3]

ان تمام واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حصول علم کے بعد آپ نے سچائی کو اپنایا۔ اور سچائی کی تبلیغ کی۔ جس کی وجہ سے آپ کے دشمن بہت زیادہ ہو گئے۔ اور افغانان میں جہاں کوئی بھی بدعات اور غلط عقائد کا اظہار کرتا تو انہیں لوگ حضرت اخوند رویزہ اور حضرت پیر بابا کی طرف متوجہ کرتے۔ اور انہی کے فیصلوں کا انتظار کرتے اور انہی کے فتووں کو لوگ اپناتے تھے[4]

حضرت اخوند رویزہ ایک آتش بیان خطیب، اثر انگیز مقرر و مؤلف اور نہایت سخت گیر محتسب تھے۔

---

[1] تذکرۃ الابرار و الاشرار ص ۱۲۶ [2] ایضاً ص ۱۳۲ [3] ارشاد المریدین ص ۴

[4] بایزید روبنان ص ۸۵ - از قیام الدین خادم۔

پشتو، فارسی اور عربی میں تقریر کیا کرتے تھے۔ شعر کہتے تھے اور تبلیغ کرتے تھے۔

افغان انہیں "بابا" کہتے تھے[1] آپ اہلسنت والجماعت کے علمبردار تھے۔ اور حنفی مسلک کا پرچار کرتے تھے۔ آپ نے ملاحدہ، قرامطہ، باطنیہ، فرقہ اثنا عشریہ، جبریہ، قدریہ اور روافض کی تکذیب کی ا ان کے عقائد کو باطل ٹھہرایا۔ اور لوگوں کو غلط نظریات سے بچانے کی تلقین کی۔ اور ان عقائد باطلہ کو د اسلام کے لئے ایک خطرہ عظیم سمجھا۔ آپ نے اپنی کتاب تذکرۃ الابرار والاشرار کے آخر میں صفحہ ۱۵۹ سے کر آخر تک ۲۰۰ سے زائد ان باطل عقائد کے معتقدین کو تبلیغ کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

سلوک و تصوف میں آپ کا مسلک | سلوک و تصوف میں مجاہدات و ریاضیات کے ذریعے تزکیہ باط کی پیہم و مسلسل سعی کی جاتی ہے۔ اور اس میں درجہ کمال حاصل کرنے کے لئے ظاہری طور پر بھی کسی کامل رہ کی پیروی میں بزرگان دین کے وضع کردہ طریقوں کے مطابق باقاعدہ اور منظم جدوجہد کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

لہذا آپ نے اس مقصد کے حصول کے لئے سلوک و طریقت کے مروجہ طرق میں سے طریقہ چشتیہ اختیار فرمایا۔ اگرچہ آپ کا قلبی اور حقیقی تعلق سلسلہ چشتیہ سے تھا۔ مگر آپ طریقہ سہروردیہ اور طریقہ قادریہ بھی ماذون تھے[3]

حضرت اخوند درویزہ کو اپنے پیر و مرشد حضرت پیر بابا نے تصوف کو غلط طریقے سے اختیار کرکے گم تک پہنچنے سے سمجھا رکھا تھا۔ کہ اس راستے میں لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق غلط عقیدہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ پس آپ علم و سلوک دونوں پر پوری مہارت رکھتے تھے۔ اور آپ اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر ا نتیجے تک جا پہنچے تھے۔ کہ بغیر پیر و مرشد کی رہنمائی کے انسان غلط طریقے سے وحدت الوجود تک جا پہنچتا ہے۔ اور جس چیز کو یہ "ذات باری" تصور کرتے ہیں۔ اس تک رسائی صرف رہبر کامل ہی کر سکتا ہے۔ لہذا آپ نے نظریہ وحدت الوجود کے ماننے والوں کا رد کرکے نظریہ وحدت الشہود کا پرچار کیا[4]

حضرت اخوند درویزہ کی جامع تصانیف کی تمام تر تعلیمات کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ آپ نے اپنی کتابوں میں تصوف کے کئی گمراہ اور نیکوکار فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ نیز گمراہ فرقوں پر شدید تنقید کرتے ان کے مذموم عقائد کو باطل قرار دیا۔ اور عالمانہ دلائل سے انکار کیا۔ صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کو معبود، مط اور مقصود قرار دیتے ہیں۔ اسی کا قرب حاصل کرنے میں تمام زندگی گزار دیتے ہیں۔ غیر اللہ سے انہیں کو

---

[1] دائرہ معارف علوم اسلامیہ ص ۲۱۲ [2] نتائج الحرمین (قلمی) ورق ۲۱۹/۲۲۳ از محمد امین بدخشی [3] تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۲۷ تا ۳۰ [4] ایضاً ص ۱۴۵، ۱۴۶

وابستگی و دلبستگی نہیں ہوتی۔ گویا ان کی پوری زندگی حصولِ قرب اور حصول الٰہی میں بسر ہو جاتی ہے۔ اور اس اعلیٰ مقام کے حصول کے لیے وہ قرآن وسنت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان لغزشوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو صوفی قرآن وسنت سے ہٹ کر اور عقل کی نارسائی کی وجہ سے ایسا راستہ اختیار کر لیتے ہیں جو کہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت اخوند درویزہ نے اس دور میں جب کہ ہندوستان میں فلسفہ " ویدانتی "، اور پنجاب میں " یونانی فلسفہ " " فلسفہ توحید " سے جدا کیا جا رہا تھا۔ تو عین اسی وقت شہر پشاور میں جو مضافہ کابل تھا۔ آپ نے بھی فلسفہ توحید کو یونانی اور ایرانی فلسفے سے اچھی طرح کھنگال کر شریعت حقہ کے مطابق اپنی تصانیف میں بیان فرمایا۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:-

" بدان اے فرزند کہ طلبِ حق در متابعت رسول اللہ است۔ بقولہ تعالیٰ " ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الخ "۔ پس ہر کہ بغیر متابعت رسول اللہ بسبب شیخ زادگی خود را پیر و پیشوا سازد او ضال و مضل است "۔[1]

ترجمہ۔ اے فرزند اس بات کو ذہن نشین کر لو۔ کہ حق کی طلب (کا راز) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو۔ پس جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے بغیر محض شیخ زادہ یا سید زادہ ہونے کی وجہ سے اپنے کو پیر یا پیشوا بناتا ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

حضرت اخوند درویزہ کے ارشاد کی روشنی میں طلبِ حق بغیر حضورؐ کی متابعت کے حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے وہ اپنے تصوف کا مرکزی نکتہ اپنی تصانیف میں بار بار یہ بتلاتے ہیں کہ طلبِ حق کا راستہ وہی بتائے گا۔ جو قرآن وسنت کا عالم ہو۔ اگر شیخ عالم قرآن وسنت نہیں تو اس راستے میں وہ بھی گمراہ ہو گا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ ان کے نزدیک طلبِ حق کے ارشاد کرنے والے یعنی پیر کامل میں چار شرائط کا ہونا انتہائی لازمی ہے اگر اس شیخ میں یہ چار شرائط موجود ہوں تو اسے اپنا رہبر تسلیم کریں اور اگر نہیں ہیں تو فرمایا:-

" کہ بکسی دست نہ دہد۔ تا ضال و مضل نہ گردد "۔[2]

ترجمہ۔ کسی کا سہارا نہ لے (بیعت نہ کرے) تاکہ خود گمراہ نہ ہو اور نہ دوسروں کو گمراہ کرے۔

حضرت اخوند درویزہ کے نزدیک پیر کامل کی پہلی شرط یہ ہونی چاہیئے کہ علم تفسیر و علم حدیث کا مکمل

---

[1] ارشاد الطالبین صہ ۲۹۳ [2] ایضاً صہ ۲۹۴

عبور رکھتا ہو۔ تاکہ کوئی بھی مسئلہ درپیش آئے تو اسے حل کرنے میں دقت نہ ہو۔ شرط سوئم کہ علم مناظرہ پر پوری طرح حاوی ہو۔ تاکہ اپنے اور مریدوں کے عقیدے کو بد مذہب لوگوں کے عقیدے سے امتیاز کر سکے۔ شرطِ چہارم یہ کہ نکاتِ تصوف روحانی کو خوب جانتا ہو۔ اس لئے کہ اکثر اوقات روحانی مدارج کے کشف پر جو مرید ہوں ان کی رہنمائی کر سکے۔ تاکہ وصول "بین الحق والعبد" کے مراتب کو اچھی طرح جان سکے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

" بداں اے فرزند چوں پیر بابی بدیں اوصاف مذکور موصوف باشد۔ او را از چہار شروط کہ بین المشائخ متعارف است بپرس اگر ہمہ شروط را دارد۔ پس او کامل و مکمل است۔ و اگر یک شرط از ایں شرطہا نداند۔ پیشوائی را نشاید لہ

ترجمہ۔ اے فرزند اس بات کو ذہن نشین کر لو۔ کہ جب تم کو کوئی ایسا پیر ملے جس میں مذکورہ اوصاف موجود ہوں۔ تو ان چار شرطوں کے بارے میں دریافت کرو۔ جن سے مشائخ واقف ہیں۔ اگر وہ (پیر) ان چار شرطوں پر پورا اترتا ہو تو وہ پیر کامل ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی ایک شرط کو پورا نہ کرتا ہو تو وہ پیشوا (مرشد بننے) کے لائق نہیں ہے۔

گویا حضرت اخوند درویزہ کے نزدیک توحیدِ الٰہی کا تصوف صرف اور صرف اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں مضمر ہے۔ اور یہی وہ خالص اسلامی تصوف ہے جس سے ایک شخص تاحیات قربِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ حضرت اخوند درویزہ علم توحید کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ تصوف کے نزدیک توحید کی پانچ اقسام ہیں۔

۱۔ توحید ایمان ۲۔ توحید علم ۳۔ توحید تکلیفی ۴۔ توحید یقین ۵۔ توحید تجریدی۔

۱۔ توحید ایمان۔ ایک شخص جب بالغ ہو جاتا ہے تو تمام فرائض کو جاننے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات کو پہچانتا اور ایمان لاتا ہے اگر وہ پہچاننے کے ساتھ ایمان نہیں لاتا تو وہ مسلمان نہیں۔

۲۔ توحید علمی۔ جو لوگ دینی علوم حاصل کرتے ہیں۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کی طرف سے جو اس کا وعدہ ہے۔ بھلائیوں کی طرف انتہائی کوشش کرتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں وہ نہ تو کسی سے ڈرتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی سے امید رکھتے ہیں۔ بغیر اللہ کے اس توحید کے مالک توحید علمی رکھتے ہیں۔

۳۔ توحید تکلیفی۔ اولیاء اللہ اس بشارت کے ساتھ کہ جو شخص قربِ الٰہی کے حصول کے لئے مجاہدات اور عبادات کو اپنے اوپر ضروری ٹھہرا لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قربِ الٰہی کے راستے خود بخود اس

---

لہ ارشاد المریدین صہ ۷۰۔

پر کھل جاتے ہیں یعنی وہ اپنے نفس کو ان چیزوں سے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں محفوظ رکھتا ہے۔ اور وہ خطرات جو ماسوائے اللہ کے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر دنیاوی لذت اور تمام نفسانی خواہشات کو اپنے آپ سے دور رکھتا ہے۔ بلکہ وجود کی نفی بھی دور کر دیتا ہے۔ اس وقت الوہیت کی خبر پاتا ہے۔ تو یہ توحید تکلیفی ہے

۴۔ توحید یقینی۔ اسے توحید ضروری بھی کہتے ہیں۔ اور یہ پیغمبروں کا خاصا ہے۔ ان کے ارواح کی خلقت سے لے کر وفات تک پیغمبری کی کوئی چیز معزول نہیں ہوتی۔ بلکہ پیدائش کے وقت بھی وہ رسوم کفر اعراض کرتے ہیں اور اس کی رضا پر راضی ہوتے ہیں۔

۵۔ توحید جبری۔ یہ توحید شیطان اور تمام کافروں کی ہے۔ اس توحید کو انہوں نے بوجہ دشواری کے قبول کیا۔ اگر تحقیقی طور پر انہوں نے خدا کو پہچانا ہوتا تو ہرگز سرکشی نہ کرتے۔ علاوہ ازیں ایک اہم امر پر حضرت اخوند رویزہ نے زور دیا ہے۔ وہ یہ کہ بغیر اذن شیخ معرفت توحید الٰہی کا راستہ حاصل ہونا ممکن نہیں اور اذن شیخ کے حصول سے قبل تین باتیں نہایت ضروری ہیں۔ وہ بیان فرماتے ہیں۔

اول۔ علم حاصل کرنے کے بعد شیخ کامل کے بتائے ہوئے مجاہدات و ریاضات پر عمل پیرا ہو۔

دوم۔ شیخ کامل کی صحبت اختیار کرے اور کماحقہ اس کی خدمت کرے۔

سوم۔ انتہائی ریاضت اور بجاآوری خدمت شیخ کی بدولت اس پر اللہ تعالیٰ کی عنایت نازل ہو۔

اور وہ یہ ہے کہ مرشد اس کے احوال سے آگاہ ہو۔ اس سے خلاف شریعت کوئی لغزش بھی سرزد نہ ہو۔ اور شیخ ایسے مرید کو اپنے مقام قربت تک پہنچا دے۔ ان تین امور کے پورا کرنے کے بعد وہ شخص شیخ کامل سے اجازت کا اہل ہو سکتا ہے[1]

چنانچہ حضرت اخوند رویزہ اس کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔[2]

"اذن پیر کامل آن است کہ آن پیر اذن نیز از جائے آوردہ باشد۔ دست بدست تا زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: پیر کامل کا اجازہ یہ ہے (اس صورت میں صحیح ہے) کہ اس پیر کو بھی ایسے مقام سے اجازہ ملا ہو اس کا سلسلہ بیعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک جا پہنچتا ہو۔

گویا اخوند رویزہ کے نزدیک بغیر اس اجازت کے جو بیعت کے ذریعے دست بدست حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچتا ہو تو وہ توحید الٰہی کی معرفت کا راستہ نہیں پا سکتا۔

حضرت اخوند رویزہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ سید علی ترمذی المعروف پیر بابا سے سلسلہ ہائے

---

[1] ارشاد الطالبین ص ۲۷۶ - ۲۸۰ [2] ایضاً ص ۲۸۸

تصوف یعنی سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ کبرویہ، سلسلہ علاجیہ اور مفاخرہ شکاریہ میں اجازت حاصل کی تھی[۱] اور ان تمام سلاسل میں سلوک کو مکمل کرکے اپنی کتاب "ارشاد الطالبین" میں سیر من اللہ، سیر الی اللہ، سیر فی اللہ اور سیر مع اللہ کے ضمن میں تفصیلاً بیان فرمادیا[۲]

غرضیکہ حضرت اخوند درویزہ نے شریعت اسلامی کے تصوف کا یہ بلند مقام واضح کرکے توحید کی تعلیم کو مرتبہ کمال تک پہنچا دیا اور تصوف کے مسائل کو اس نہج پہ بیان فرمایا۔ جیسے ان سے پہلے صوفیائے محققین نے بیان کیا۔

**رقص و سماع کے بارے میں آپ کی رائے** آپ کے عہد میں شیخ کبیر بن شیخ قاسم غوری۔ شاہ اسمٰعیل میر علی، ابو بکر اور آپ کے بہت بڑے مخالف بایزید انصاری جیسے بے شمار لوگ سماع کو پسند کرتے تھے۔ رقص و سرود کو جائز سمجھتے تھے[۳] آپ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے ان مذکورہ پیروں کے غلط دعووں کو کفر کہا ہے۔ آپ نے فرمایا:

"روش ایشاں آنکہ دف و نائے وغیرہ ذالک آلات ملاہی شنوند۔ و بداں رقص آرند۔ و آں را حلال دانند و دعوی کنند کہ ایں چیز را اللہ تعالی بر ما نازل کردہ از شریعت محمدی جائز داشتہ"[۴]

ترجمہ۔ ان کی روش یہ تھی کہ وہ راگ وغیرہ سنتے تھے۔ رقص و سرود کرتے اور اس کو حلال سمجھتے اور دعوی کرتے کہ یہ کام اللہ تعالی نے شریعت محمدی کے علاوہ ہم پہ جائز قرار دیا ہے۔

آپ کے بعد حضرت میاں محمد عمر صاحب چمکنی (متوفی ۱۱۹۰ھ) نے بھی رقص و سرود کے خلاف جہاد باللسان کیا۔ اور اپنی تالیفات میں اس خرابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جب اپنی اولاد کو رقص سکھانا چاہتے تو ان کو ایک جگہ جمع کرتے۔ پہلے خود رقص کا آغاز کرتے۔ اس کے بعد ان کے بچے ان کی تقلید کرتے[۵]

بایزید انصاری نے سرود کو جائز قرار دیتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ

"سرود کا سننا خدا کے اشاروں میں سے ایک اشارہ ہے۔ کہ بیان کرنے سے وہ ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی شخص اس پہ قادر ہے کہ اس کے بیان کرنے کا راستہ نکال سکے[۶]

حضرت اخوند درویزہ نے رقص و سرود کی بھرپور مخالفت کی اور لوگوں کو رقص و سرود سے بچنے کی تبلیغ کی۔ اور خود بھی اس کے سننے سے دور رہے اور عالم حقانی ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ +

---

[۱] تذکرۃ الابرار و الاشرار ص ۱۳۷۔۱۳۸ [۲] ارشاد الطالبین ص ۳۴۹، ۳۵۵ [۳] تذکرۃ الابرار و الاشرار ص ۱۸۳، ۱۸۵ [۴] ایضاً ص ۱۸۶ [۵] المعالی ص ۲۴۰۔ از میاں محمد عمر چمکنی [۶] خیر البیان ص ۲۷۱۔ از بایزید انصاری